مطالعۂ اصنافِ ادب

شاہ فیصل

Scanned with CamScanner

اردو نظم.....تعریف و ہیئتیں

فرہنگ آصفیہ میں نظم کے معنی پرونا، موتیوں کو تاگے میں پرونا، لڑی، سِلک، انتظام، بندوبست، کلام موزون اور شعر کے بیان کئے گئے ہیں۔ جبکہ جامع اُردو انسائیکلو پیڈیا جلد اول میں نظم کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

کسی خاص موضوع پر شاعر اپنے افکار وتاثرات جب مسلسل اشعار کی صورت میں ربط وتسلسل کے ساتھ پیش کرتا ہے تو اسے نظم کہتے ہیں۔

جامع اللغات میں نظم کے معنی شعر، کلام موزوں، چند شعروں کا مجموعہ جو ایک ہی مضمون پر ہوں، بیان کئے گئے ہیں۔

درجہ بالا استفسار سے معلوم ہوتا ہے کہ نظم کا مفہوم بہ اعتبار لغت ''ضبط میں لانا'' ہے اس کے مرادی معنی لڑی، سلک وغیرہ کے ہیں۔ جبکہ اس کا اصطلاحی مفہوم ''شعر'' مربوط کرنا' یا شعر موزوں کرنا'' ہے۔

قدیم دور کی تمام اُردو شاعری اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے 'نظم' کے دائرے میں آتی ہے اور اس میں تمام اصناف سخن شامل کئے جاسکتے ہیں۔ غزلیں بھی اس میں شامل ہیں۔ چھوٹی یا بڑی مثنویاں بھی، قطعات بھی اور مرثیے بھی۔ مطلب یہ کہ جتنی متنوع شکلوں میں شعر بیان کئے گئے ہیں۔ وہ سب نظم میں شامل ہیں۔ اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ شاعرانہ تخلیق چاہے وہ کسی بھی صنف میں ہو، قدیم دور میں نظم ہی کہلائی جاتی

Scanned with CamScanner

تھی۔ لیکن قدیم دکنی دور پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ غزل کو چھوڑ کر باقی تمام اصناف سخن جیسے قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، رباعی وغیرہ کو نظم کے نام سے ہی جانا جاتا تھا۔ اس دور کے شاعروں اور تزکرہ نویسوں نے برملا طور پر جہاں مثنوی، قصیدہ، مرثیہ یا رباعی کو نظم سے موسوم کیا ہے۔ وہیں کسی شاعر یا تزکرہ نویس نے 'غزل' کو نظم سے تعبیر نہیں کیا ہے۔ اسی طرح محمد قلی قطب شاہ، ولی، حاتم، سودا، میر نظیر اکبر آبادی یا غالب کی مختلف اصناف سخن کو (غزل کو چھوڑ کر) کسی بھی شاعر یا تزکرہ نگار نے غزل سے موسوم نہیں کیا ہے اور نہ ہی ان اصناف کو غزل کے مترادف سمجھا ہے۔ آج کل نظم سے مراد شاعری کی وہ صنف ہے جس کے تمام اشعار مل کر کسی ایک واقعے، کیفیت یا تجربے کو بیان کرتے ہیں اور معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے پر منحصر ہوتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں نظم کا ہر شعر مضمون کے اعتبار سے ایک مکمل اکائی نہیں ہوتا بلکہ نظم کے اشعار ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر ایک موضوعاتی وحدت کا عندیہ دیتے ہیں۔ نظم میں تسلسل اور ارتقاء کی خوبیان پائی جاتی ہیں۔ جن کی وجہ سے یہ غزل سے قطعی طور پر مختلف ہے۔ تسلسل سے مراد یہ ہے کہ پوری نظم میں ایک ہی بات، ایک ہی واقعہ، ایک قصہ یا ایک کیفیت کا بیان ہو۔ ارتقا سے مطلب یہ ہے کہ نظم کا ہر شعر یا مصرعہ اس مرکزی خیال یا بنیادی کیفیت کے بیان کو آگے بڑھاتا ہو اور پوری کیفیت یا تصویر کا کوئی نہ کوئی اہم حصہ فراہم کرتا ہو۔ یہی دو باتیں نظم کی پہچان قرار پائی ہیں اور اسی اعتبار سے نظم ''غزل'' سے مختلف بھی ہے۔

اس طرح نظم کے کئی معنیٰ نکلتے ہیں۔ پہلے معنیٰ کے رو سے نثر سے الگ کر کے

Scanned with CamScanner

لفظ نظم استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی کلام موزون۔ دوسرے معنی کے رو سے نظم بحیثیت ایک صنف کے۔ یہاں نظم تمام اصناف شعری سے الگ ہو کر ایک صنف کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔

نظم کو بحیثیت صنف سمجھنے کیلئے غزل سے اس کا مقابلہ کرنا ضروری بنتا ہے۔ کیونکہ نظم غزل کی اور غزل نظم کی ضد ہے۔ غزل کے سبھی شعر الگ الگ مضمون کے حامل ہوتے ہیں اور اپنی جگہ مکمل اکائی ہوتے ہیں، جبکہ نظم کا ہر مصرعہ ایک دوسرے سے مربوط ہوتا ہے۔ اور ایک لڑی میں پرویا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں غالبؔ کی غزل کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں تا کہ ذہن نشین ہو جائے کہ غزل کا ہر شعر مکمل بھی ہوتا ہے اور ہر شعر الگ الگ مضمون کا حامل بھی ہوتا ہے۔

نقش، فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

کاوِ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا، لانا ہے جوئے شیر کا

یہ دونوں اشعار اپنی جگہ مکمل ہیں اور معنی کے لئے ایک دوسرے کے محتاج نہیں ہیں۔

اب جوش ملیح آبادی کی ایک مختصر نظم ملاحظہ فرمائیں جس کا عنوان ہے ''مجھے تیری نعمتوں کی خواہش نہیں'' تا کہ ذہن نشین ہو جائے کہ نظم کا ہر شعر اپنی جگہ مکمل نہیں ہوتا بلکہ سب شعر ملکر کوئی کیفیت بیان کرتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

بے تعلق ہوں دین ودنیا سے　　حُب ثروت نہ فکر جنت ہے
نہ مجھے شوق صبح آسائش　　نہ مجھے ذوق شام عشرت ہے
نہ تو حور و قصور پر مائل　　نہ تو ساقی ومے سے رغبت ہے
نہ تقاضائے منصب وجاگیر　　نہ تمنائے شان وشوکت ہے
کچھ مجھے تیرے در سے مل جائے　　کس منافق کو اس کی حسرت ہے
کیا کروں گا میں نعمتیں لے کر　　میری ہر سانس ایک نعمت ہے
تجھ پہ روشن ہے اے مرے مولا　　کہ مرے دل میں سوز وحدت ہے

تیرے انعام کی نہیں خواہش
بلکہ مجھ کو تیری ضرورت ہے

اختر الایمان کی ایک مختصر نظم ''سرِ راہ گزارے'' ملاحظہ فرمائیں۔

شب ماہ تو ہے، سحر بھی تو
کہ فضاں بھی تو ہے اثر بھی تو
یہ تیری بہار کے دن سہی
نہ ترے نکھار کے دن سہی
نہ مٹا کسی کو سنبھل سنبھل
سرِ راہ یوں نہ بہک کے چل
کہ زمین پہ رہتے ہیں اور بھی
جنہیں حُسن سے بھی لگاؤ ہے

Scanned with CamScanner

جنہیں زندگی بھی عزیز ہے

درجہ بالا دو نظموں کو بغور دیکھئے ان میں ہر مصرعہ معنی کی تکمیل کیلئے ایک دوسرے کا محتاج ہے کیونکہ بات اگلے مصرعے کے بغیر پوری نہیں ہو پائی۔ بات آہستہ آہستہ آگے بڑھتی ہے اور تکمیل موضوع تک پہنچتے پہنچتے اشعار بھی ختم ہوتے ہیں۔ نظم کے اسی اعجاز کو ارتقا کہتے ہیں۔ نظم میں داخلی لہجہ بھی ہوسکتا ہے اور بیانیہ لہجہ بھی۔ اس میں علامتوں کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے اور علامتوں کے بغیر بھی نظم لکھی جاسکتی ہے۔ نظم کے لئے غزل کے جیسے موضوعات کی پابندی بھی ضروری نہیں ہے۔ جیسے عشقیہ، صوفیانہ، اخلاقی یا سیاسی موضوعات۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے نظم اور غزل کے فرق کو واضح کرنے کیلئے یہ مثال دی ہے کہ آپ ایک بھرے بازار سے گزرتے ہیں اور بازار کی گہما گہمی، اشیا کی چکاچوند اور فراوانی کا مجموعی تصور جو ذہن پر نقش ہوتا ہے وہ غزل ہے اور فرض کیجئے کہ آپ بازار میں آتے ہیں اور لپک کر ایک دُکان میں گھس جاتے ہیں پھر آپ دُکان کی کوئی الماری کھلواتے ہیں، اس الماری میں سے ایک ڈبہ نکالتے ہیں اور پھر ڈبے میں سے کوئی چمکتا ہوا موتی نکال کر ہتھیلی پر رکھ لیتے ہیں اور اس کی چکاچوند، حسن و نفاست میں کھو جاتے ہیں، تو یہ نظم کا عمل ہے۔[1]

پروفیسر احتشام حسین نظم کے مفہوم کو اس طرح واضح کرتے ہیں ''نظم کا لفظ جب شاعری کی ایک مخصوص صنف کیلئے استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے وہ نظمیں مقصود ہوتی ہیں جن کا کوئی حسین موضوع ہو اور جن میں بیانیہ، فلسفیانہ یا مفکرانہ انداز میں شاعر نے کچھ خارجی اور کچھ داخلی یا دونوں قسم کے اثرات پیش کئے ہوں۔ موضوع

Scanned with CamScanner

اور ہیئت کے اعتبار سے ان نظموں کو بہت سی شاخوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ مثلاً ''موضوع اور بنیادی آہنگ کے لحاظ سے رومانی، سیاسی، اخلاقی عشقیہ، مذہبی، ہجویہ، فلسفیانہ، مفکرانہ، منظری، بیانیہ وغیرہ جبکہ ہیئت اور ظاہری ساخت کے لحاظ سے بہ شکل مثنوی، بہ شکل غزل، مثلث، مربع مخمس، مسدس، مثمن، مسمط، ترکیب بند، ترجیع بند، غیر مقفیٰ، مستزاد، آزاد نظم، گیتوں کی مختلف شکلوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ سب چاہے ان میں مخصوص قسم کا تعمیری حُسن ہو یا اس سے مبرّیٰ ہوں نظموں کے دائرے میں آجائیں گے''۔[۲]

اس مفہوم کو مدنظر رکھکر ہم کہہ سکتے ہیں کہ نظم نگاری کی ابتداء شعرائے دکن نے کی۔ شروع میں مذہبی جذبات اور رجحانات کی عکاسی ان نظموں میں ہوئی۔ بادشاہوں کی سرپرستی کی وجہ سے قصیدہ خوانی کا رجحان بڑھ گیا اور پھر داستانوں کا دور چلا تو اُن کے اولین نقش بھی نظم کی صورت میں ہی نظر آتے ہیں۔ تصوف کی تلبیغ وتوسیع میں بھی نظم نے نمایاں رول ادا کیا۔ شمالی ہندوستان میں شعرائے کرام نے مثنویاں، مخمسات، عزائیہ نظمیں اور سلام وغیرہ لکھ کر اُردو نظم کی کمیت (Quantity) میں اضافہ کیا۔ میرؔ اور سوداؔ نے مثنویاں، مراثی، قصائد اور ہجویات سے اُردو نظم کے خزانے کو معمور کیا۔ ان کی جودت طبع نے نظم کو روانی، سلاست، شوکت الفاظ اور مضمون آفرینی سے مزیّن کیا۔ نظیر اکبر آبادی کا شمالی ہندوستان میں صنف نظم کو وسعت دینے میں بے مثال کردار ہے۔ نظیر کی نظموں کا کینوا اس بہت وسیع ہے۔ زندگی کے بے شمار تجربے اور فطرت کے لاتعداد روپ اس میں داخل ہیں۔ نظیر کے بعد انیسؔ، دبیرؔ اور چند دوسرے

Scanned with CamScanner

شعراء کرام نے اُردو نظم کے خدوخال کو نکھارا۔ نظم میں جدید رجحان کی عکاسی آزاد، حالی، شبلی، اسمٰعیل میرٹھی اور اکبر الہ آبادی نے بڑے دلکش انداز میں کی ہے جبکہ اُردو میں انقلابی نظموں کی روایت اقبال، جوش اور ان کے ہمعصروں نے قائم کی ہے۔

نظم کا باقاعدہ رواج ۱۸۷۴ء میں منعقد مشاعرے میں ہوا جس کا انعقاد انجمن پنجاب نے لاہور میں کیا تھا۔ جس میں مخصوص موضوع پر نظمیں کہنے اور لکھنے کی ترغیب دی گئی۔ نظم پر اصلاح اسی مشاعرے سے رائج ہوئی۔ لیکن باور کیا جاتا ہے کہ اُردو میں ایک موضوع والی شاعری پہلے ہی سے موجود تھی۔ اسکی مختلف شکلیں زیادہ تر یا تو نفس مضمون کی بدولت طے پائی تھیں (مثلاً مرثیہ، قصیدہ، مثنوی) یا پھر ساخت اور بناوٹ کے اعتبار سے (جیسے مسدس، رباعی اور قطعہ وغیرہ)

اُردو نظم کی مختلف ہیئتیں

اُردو شاعری پر فارسی شاعری کے اثرات نمایاں ہیں یا یوں کہیے کہ اُردو شعر و ادب کی پرورش فارسی علماء، دانشوروں اور شاعروں کے زیر سایہ ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو شاعری نے من وعن کئی فارسی ہیئتوں کو قبول کیا اور یہ ہیئتیں اب اُردو ہی کی ہیئتیں تصور کی جاتی ہیں۔ آنے والی سطور میں ان ہیئتوں کے بارے میں اختصار کے ساتھ روشنی ڈالنے کی سعی کی جاتی ہے۔

۱۔ پابند نظم:۔ پابند نظم سے مراد وہ نظم ہے۔ جس میں ردیف اور قافیہ کے علاوہ بحر کے مقررہ اوزان کی پابندی کی جاتی ہے۔ اس لئے اسے مقفیٰ نظم بھی کہتے

Scanned with CamScanner

ہیں۔ اس نظم میں موضوعات کی قید نہیں اور نہ ہی اشعار کی تعداد کی کوئی قید ہے۔ پابند نظم میں شاعر کسی بھی موضوع پر جتنے بھی اشعار چاہے، بیان کر سکتا ہے۔ کئی شاعروں نے چار یا چھ اشعار میں پابند نظمیں کہی ہیں۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اُردو شاعری کا وافر حصہ پابند نظموں پر مشتمل ہے۔ اُردو شاعری کے آغاز سے لیکر آج تک تمام شاعروں نے اس صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور اس طرح پابند نظم نگاری کو فروغ دینے میں ہر شاعر نے اپنا رول نبھایا ہے۔ دور جدید میں آزاد اور معریٰ نظم کے چلن کے باوجود بڑا حصہ پابند نظم کا ہی ہے۔ جوش ملیح آبادی کی ایک پابند نظم کو یہاں مثال کی خاطر درج کیا جاتا ہے۔ نظم کا عنوان ہے ''گاتی ہوئی راتیں'

چھاؤں میں تاروں کی ملتی ہیں مجھے گاتی ہوئی
راہیں کھیتوں کے کنارے پیچ وخم کھاتی ہوئی
کوہ وصحرا کو سناتی ہیں حدیث رنگ وبو
پتلی پتلی ٹہنیوں پر قمریاں گاتی ہوئی
اوس میں ڈوبی ہوئی چلتی ہے متوالی ہوا
کنج میں چھپتی ہوئی غنچوں کو چٹکاتی ہوئی
پھوٹتی ہے عشوۂ ترکانہ سے پہلی کرن
نبض خاروخس میں خون گرم دوڑاتی ہوئی
چرخ سے آتی ہے رہ رہ کر صدا ''روشن نگاہ''
خواب سے اٹھتی ہیں کلیاں ناز فرماتی ہوئی

Scanned with CamScanner

پھوٹتی ہے یوں کرن جیسے کوئی کمسن عروس
آرہی ہو کھلتی گنگن سے شرماتی ہوئی

علامہ اقبالؒ کی نظم ''لالہ صحرا'' کے چند اشعار بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ کس طرح پابند نظم میں ایک ہی وزن اور قافیے کی پابندی کی جاتی ہے۔

یہ گنبد مینائی! یہ عالم تنہائی
مجھ کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی تنہائی
بھٹکا ہوا راہی میں، بھٹکا ہوا راہی تو
منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی
خالی ہے کلیموں سے یہ کوہ وکمر ورنہ
تو شعلۂ سینائی میں شعلۂ سینائی
تو شاخ سے کیوں پھوٹا، میں شاخ سے کیوں ٹوٹا
اک جذبہ پیدائی، اک لذت یکتائی

مثنوی:۔ مثنوی کے لغوی معنیٰ دو جز والی چیز کے ہیں۔ شاعری اصطلاح میں ایسی نظم کو مثنوی کہتے ہیں جس کے اشعار ہم وزن ہوں، لیکن قافیہ اور ردیف کے اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہوں۔ معنوی لحاظ سے مثنوی کے اشعار ایک دوسرے سے مربوطہ ہوتے ہیں۔ مثنوی میں عام طور پر کوئی نہ کوئی واقعہ یا قصہ یا کوئی صوفیانہ خیال، یا مناظر قدرت کا بیاں یا کوئی سیاسی یا معاشرتی معاملہ نظم کیا جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

مثنوی کے اشعار کی تعداد معین نہیں ہے۔ اُردو کی بہترین مثنویوں میں میرؔ کی دریائے عشق، میر حسنؔ کی سحرالبیان، دیا شنکر نسیم کی گلزارِ نسیم، اور نواب مرزا شوق کی زہرِ عشق ہیں۔

میر حسن کی مثنوی ''سحرالبیاں'' کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

کسی شہر میں تھا کوئی بادشاہ — کہ وہ تھا شہنشاہ گیتی پناہ
کسی طرح کا وہ نہ رکھتا تھا غم — مگر ایک اولاد کا تھا الم
اسی بات کا اس کے دل پہ تھا داغ — نہ رکھتا تھا وہ اپنے گھر کا چراغ
وزیروں کو اک روز اس نے بلایا — جو کچھ دل کا احوال تھا، سو کہہ گیا
کہ میں کیا کروں یہ مال و متاع — فقیروں کا ہے میرے دل کا خیال
فقیر اب نہ کہوں تو کروں کیا علاج — نہ پیدا ہوا وارث تخت و تاج
جوانی تو میری گئی اب گزر — نمودار پیری ہوئی سر بسر
بہت ملک پر جان کھویا کیا — بہت فکر دنیا میں رویا کیا
وزیروں نے کی عرض، اے آفتاب — نہ ہو تجھ کو ذرہ کبھی اضطراب
مگر ہاں یہ اولاد کا ہے جو غم — سو اس کا تردّد بھی کرتے ہیں ہم
عجب کیا کہ ہووے تمہارے خلف — کرو تم نہ اوقات اپنی تلف

رباعی:۔ عربی زبان میں ربع چار کو کہا جاتا ہے۔ شعری اصلاح کے لحاظ سے رباعی وہ نظم ہے جس میں چار مصرعے ہوں۔ فکر و خیال کے اعتبار سے رباعی ایک

Scanned with CamScanner

مکمل مضمون ادا کرنے کی متحمل ہوتی ہے۔ رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہوتے ہیں جبکہ تیسرا مصرعہ ہم قافیہ نہیں ہوتا۔ رباعی کا چوتھا مصرعہ باقی تین مصرعوں کا ماحاصل یا نچوڑ ہوتا ہے۔ رباعی میں ہم اخلاقی اور مذہبی مضامین زیادہ تر نظم کرتے ہیں۔ رباعی کو دوبیتی یا ترانہ بھی کہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں چند رباعیاں۔

ہر فرد ہے واللہ خود اپنا ہی غلام
جو ذات میں ضم نہیں ہے اُس سے کیا کام
ماں باپ خدا رسول، محبوب رفیق
اپنے ہی انا کے ہیں یہ بدلے ہوئے نام

(جوشؔ)

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زبان پر گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

(انیسؔ)

پاؤں پاؤں یہاں یہ چلتا ہوں کبھی
میں طور طریقہ بھی بدلتا ہوں کبھی
رہتا ہوں کھڑا چٹان بن کر اکثر
اور شمع کی صورت میں پگھلتا ہوں کبھی

Scanned with CamScanner

(فرید پربتی)

قطعہ:۔ قطعہ کے لغوی معنیٰ ٹکڑے کے ہیں جبکہ شعری اصطلاح میں قطعہ اس نظم کو کہا جاتا ہے جس میں ایک خیال یا واقعہ دو یا دو سے زیادہ اشعار میں نظم کیا جائے۔ اس کے تمام اشعار پہلے شعر کے دوسرے مصرعے سے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ قطعہ میں ایک ہی مضمون یا موضوع ہوتا ہے اور جو نظم کی طرح مسلسل ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں فیض احمد فیض کا یہ قطعہ ؎

متاع لوح وقلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خون دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے
زبان پہ مہر بھی کر دی تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقہ زنجیر میں زبان میں نے

مسمّطہ:۔ مستمطہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''پرونا'' کے ہیں۔ اس طرح یہ بھی نظم ہے۔ اسکی مختلف قسمیں بندوں کے اشعار کی تعداد کی وجہ سے مقرر کی گئی ہیں۔ وہ قسمیں یہ ہیں۔

مثلث:۔ تین مصرعوں کا بند
مربع:۔ چار مصرعوں کا بند
مخمس:۔ پانچ مصرعوں کا بند
مسدس:۔ چھ مصرعوں کا بند

Scanned with CamScanner

مسبع :۔ سات مصرعوں کا بند

مثمن :۔ آٹھ مصرعوں کا بند

مقسع :۔ نو مصرعوں کا بند

معشر :۔ دس مصرعوں کا بند

نظم کی جدید ہیئتیں

مغرب کے زیر اثر ہماری شاعری کے موضوع اور ہیئت دونوں میں جو اضافہ ہوا، اسکی اہمیت اور معنویت سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد زندگی نے کروٹ بدلی، نئے حالات اور نئے تجربوں کے زیر اثر دل و دماغ متاثر ہوتے رہے۔ اس کا لازمی اثر ہماری شاعری پر بھی پڑا۔ اس اثر کے نتیجے میں یہ محسوس ہونے لگا کہ ہماری شاعری کی پرانی ہیئت اور پُرانا فارم نئے تجربات کے لئے ناکافی ہے۔

اُردو نظم نگاری میں انقلاب اس وقت برپا ہوا جب جدید شعراء کچھ نیا کر دکھانے پر کمربستہ ہوئے۔ اس سلسلے میں انہوں نے غزلوں کے بجائے نظموں پر زیادہ سے زیادہ زور لگایا۔ وہ اپنے ان نئے تجربوں سے فطرت کو انسانی زندگی سے قریب تر لانا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تخیلات کے بجائے حقیقی اور سائنسی مشاہدات پر زور دیتے رہے۔ انہوں نے فکری نظریہ اور اسلوبی نکتہ نظر میں انگریزی اسٹائل سے استفادہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ انیسویں صدی کے آخر نصف میں اول اول آزاد اور حالی کے یہاں بیشتر موضوعات پر نئے تجربات کے اثرات ملتے ہیں۔ انہوں نے

Scanned with CamScanner

انگریزی کے تمثیلی اور مکالماتی انداز کو سراہا بھی اور اپنایا بھی ۔ انہوں نے بیانیہ اور نشاطیہ نظموں میں اصلیت کا سہارا لیا۔ حالؔی اور آزادؔ کے بعد شررؔ، نظم طباطبائی اور اسماعیل میرٹھی کے یہاں ہیئت کے نئے تجربے ملتے ہیں۔

ہمارے ادبی حلقوں نے قدامت پسند ہونے کے باوجود ان نئے تجربات کو اپنایا اور ان کے اثرات کو آہستہ آہستہ قبول کیا۔ سب سے پہلے نظم معریٰ کے قابل قدر نمونے سامنے آئے اس کے بعد آزاد نظم کے۔ نظم معریٰ ہمارے یہاں خاص مقبول ہوئی لیکن آزاد نظم کو سب سے زیادہ فروغ ہوا۔ آج کل پابند نظم سے زیادہ یہی ہیئت رائج ہے۔ مغرب سے ہم نے جو فارم لئے ہیں ان میں نظم معریٰ، آزاد نظم اور سانیٹ وغیرہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر منظر اعظمی اپنی کتاب ''اُردو کی ارتقاء میں ادبی تحریکوں اور رجحانوں کا حصہ'' میں رقمطراز ہیں۔

حالؔی اور آزادؔ مغرب سے متاثر ضرور تھے۔ مگر وہ مغرب پرست نہیں تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے بیشتر خاکے مشرقی ہی رہے۔ جن میں انہوں نے نئے مسائل اور مغربی خیالات کو ڈھالا مگر انہوں نے آئندہ آنے والے لوگوں کے لئے نئی راہوں کی مشعلیں ضرور روشن کر دیں۔ جس سے ہیتی تجربوں کو ہمت افزائی ہوئی۔'' [۳]

جدید نظموں کی مختلف ہیئتوں کے لئے جو راہیں حالؔی اور آزادؔ نے ہموار کیں، متاخرین شعرا نے ان کی اتباع میں نظم معریٰ، آزاد نظم اور سائیٹ کی فارموں کو اُردو شاعری میں استعمال کیا۔

Scanned with CamScanner

آزاد نظم:۔ اُردو شاعری میں آزاد نظم کی ہیئت سب سے پسندیدہ اور مقبول شعری ہیئت کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ اس کے مقابلے میں روایتی اضاف اور مقفیٰ شاعری کا رواج تیزی سے زوال کی طرف گامزن ہے۔ اُردو میں آزاد نظم فرانسیسی اور انگریزی کی تقلید سے وجود میں آئی۔ مغربی آزاد نظموں میں عروضی وزن نہیں ہوتا۔ ان میں آہنگ ہوتا ہے۔ جو ناپا نہیں جا سکتا ہے بلکہ محسوس کیا جاتا ہے۔ لیکن اُردو آزاد نظم مروجہ عروض کی پابند ہے اور اس کے مصرعے چھوٹے بڑے ہوا کرتے ہیں۔ یہ عموماً غیر مقفیٰ ہوتی ہے لیکن اس میں نظم معریٰ کی طرح قافیہ ممنوع نہیں ہے۔ اس میں بیچ بیچ میں قافیہ کا استعمال ہوا کرتا ہے جس سے اس کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر مشتاق احمد وانی آزاد نظم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جہاں تک موجودہ دور میں آزاد نظم کا تعلق ہے اس صنف میں ہر نیا پرانا شاعر اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کرتا نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آزاد نظم میں چونکہ قافیہ وردیف اور اوزان وبحور کی پابندی نہیں کی جاتی اس لئے اس کو خاص مقبولیت حاصل ہوئی ہے''۔[۴]

آزاد نظم کے بارے میں کرامت علی کرامت ''اضافی تنقید'' میں لکھتے ہیں۔

''تمام مصرعے تو یکساں بحر میں ہوتے ہیں۔ لیکن ارکان گھٹائے بڑھائے جاتے ہیں۔ سچ پوچھئے تو یہ کوئی نئی صنف سخن نہیں بلکہ اس طرح کے چھندوں کو سنسکرت میں ''دھاب چھند'' کہا جاتا ہے''۔[۵]

Scanned with CamScanner

اُردو میں نظم معریٰ کے برعکس آزاد نظم جم کر چلی اور اس کو مقبول عام اور بقائے دوام حاصل ہوا۔ جدید اُردو شاعری کا وافر حصہ اسی شعری ہیئت میں ہے۔ اُردو آزاد نظم کی ابتداء تصدق حسین خالدؔ کی نظموں سے ہوتی ہے۔ خالدؔ نے فرانسیسی اور انگریزی آزاد شاعری کے مطالعے سے اُردو میں اس روایت کی داغ بیل ڈالی۔ ان کی نظموں میں انگریزی آزاد نظم کی تکنیک کا اثر واضح نظر آتا ہے۔ ان کی نظموں میں مصرعے ایک دوسرے سے پیوست ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو تصدق حسین خالدؔ کی ایک نظم ''کاش'' کا ایک اقتباس:۔

کاش سورج ڈوب جائے
اس چمکتی دھوپ
ان گاتے ہوئے چشموں
مصفا وادیوں
نیلے پہاڑوں
درخشاں، ہنستی ہوئی آزاد لہروں
خوش ادا پھولوں کو
تاریکی کا دیو ہولناک
پیس ڈالے!
ظلمتیں اٹھیں، گریں، پھیلیں، بڑھیں
زندگی پھوٹتی ہے،

Scanned with CamScanner

اس گہرے غار کی
قید میں گم ہو جائیں
تاریکی کے بادل، تہہ بہ تہہ امڈیں
لڑھکتے لڑکھڑاتے گر پڑیں۔ (کاش)

خالد کی نظموں میں آہنگ و اسلوب کا تنوع پایا جاتا ہے۔ انہوں نے کم و بیش پندرہ بحریں استعمال کی ہیں۔ ملاحظہ ہو: ن۔م۔ راشد کی ایک آزاد نظم کا اقتباس جس نظم کا عنوان ہے۔

''انتقام''

اس کا چہرہ اس کے خدوخال یاد آتے نہیں
اک برہنہ جسم اب تک یاد ہے
اجنبی عورت کا جسم!
میرے ''ہونٹوں'' نے لیا رات بھر
جس سے ارباب وطن کی بے بسی کا انتقام
وہ برہنہ جسم اب تک یاد ہے

ن۔م۔ راشد نے آزاد نظم کو اُردو میں مقبول عام بخشا۔ انہوں نے آزاد نظم کو وہ استحکام بخشا۔ جس کی بدولت اس کی بنیادیں ہمیشہ کے لئے مظبوط ہو گئیں۔ اب مخدوم محی الدین کی آزاد نظم ''سناٹا'' کا یہ اقتباس ملاحظ کریں:۔

Scanned with CamScanner

کوئی دھڑکن

نہ کوئی چاپ

نہ چھل

نہ کوئی موج

نہ ہلچل

نہ کسی سانس کی گرمی

نہ بدن

ایسے سناٹے میں اک آدھ تو پتا کھڑکے

کوئی پگھلا ہوا موتی

کوئی آنسو

کوئی دل

کچھ بھی نہیں

کتنی سنسان ہے یہ راہ گزر

کوئی رخسار تو چمکے، کوئی بجلی تو گرے

نظم معریٰ:۔ یونانی اور لاطینی شاعری میں بلیک ورس کی روایت پائی جاتی ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ مغرب کی کئی جدید زبانوں کی شاعری میں بلیک ورس کے نادر نمونے ملتے ہیں۔ انگریزی شاعری میں اسکی کئی صدیوں کی تاریخ ہے جو بڑی جان دار

Scanned with CamScanner

اور شان دار ہے۔

اُردو میں نظم معریٰ کی عمر ابھی سو سال سے کم ہے کیونکہ اس سے پہلے اُردو میں اسکی کوئی روایت نہ تھی۔ اُردو نے فارسی اور عربی زبانوں کی شاعری کی ہمیشہ پیروی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی اور عربی اُردو شاعری کی مورث ہیں۔ ان دونوں زبانوں میں نظم معریٰ کی کوئی روایت ثابت نہیں ہوتی۔ یہ بات ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ تمام مشرقی زبانیں زمانہ قدیم سے مقفیٰ شاعری ہی کی دلدادہ رہی ہیں۔ ان زبانوں میں بھی نظم معریٰ کی کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔ اصل میں اردو نظم معریٰ بھی انگریزی ادب ہی کی دین ہے۔ انگریزی میں اس ہئیت کا نام بلیک ورس (Black verse) ہے۔ پہلے اُردو میں اسے نظم غیر مقفیٰ کہا گیا، لیکن بعد میں مولوی عبدالحق نے اسے نظم معریٰ کا نام دیا۔ انگریزی بلینک ورس کی ہئیت کیلئے بے قافیہ بحر مخصوص ہے۔ لیکن اردو میں نظم معریٰ میں قافیہ کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ یعنی یہ نظم قافیہ سے عاری ہوتی ہے۔ البتہ اس کے سارے مصرعے ایک ہی بحر میں ہوتے ہیں۔ اس مخصوص عروضی آزادی سے فائدہ اٹھا کر اُردو والوں نے اسکو اپنا لیا۔

مولانا محمد حسین آزاد نے دو معریٰ نظمیں ''جغرافیہ طبعی کی پہیلی'' اور ''جذب دوری'' لکھکر اُردو میں نظم معریٰ کا سنگ بنیاد رکھا۔ مگر وہ خود اس بنیاد پر کوئی عمارت تعمیر نہ کر سکے۔ اسماعیل میرٹھی کی معریٰ نظمیں کافی حد تک مقبول ہوئیں۔ آزاد کی طرح میرٹھی نے بھی نظم معریٰ میں تجربہ کیا اور بس۔ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ نہ آزاد اور نہ ہی میرٹھی اپنے اس تجربے کو روایت میں منتقل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ دونوں حضرات غالباً

Scanned with CamScanner

اس سلسلے میں سنجیدہ نہ تھے۔ بر ملا کہا جا سکتا ہے کہ آزادؔ اور میرؔ تھی کا نظم معریٰ کا تجربہ اُردو شاعری کی تاریخ کا جزو تو بن گیا پر وہ کسی نئی روایت کی کڑی نہ بن سکا۔

نظم معریٰ کو روایت کا درجہ دینے کی کوشش شررؔ نے شروع کی۔ پروفیسر حنیف کیفی اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں:۔

"نظم معریٰ کو ایک روایت کا درجہ دینے کی کوشش عبدالحلیم شررؔ نے شروع کی۔ نظم معریٰ کا سنگ بنیاد آزادؔ نے رکھا مگر اس کی ترویج واشاعت کے سنگ میل شررؔ نے نصب کئے اور اس کے ذریعے اُردو شاعری کو ایک اہم موڑ دیا جس سے آگے چل کر نئی نئی راہیں نکلتی چلی گئیں۔ انہوں نے نظم معریٰ کو رواج دینے اور اسے اُردو شاعری کی ایک اہم روایت بنانے کے لئے باقاعدہ تحریک چلائی اور اسے ہر ممکن طریقے سے معروف و مقبول کرنے کی شعوری کوشش کی"۔

شررؔ کی نظم معریٰ سے متعلق یہ تحریک فرد واحد کے خلوص کا ثمرہ تھی۔ یہ ترقی پسندی کی طرح مشترکہ کوششوں اور منصوبوں کا نتیجہ نہ تھی اور نہ سرسید کی تحریک کی طرح معاشرتی انقلاب کی پیداوار تھی۔ شررؔ کی اس تحریک سے اخذ ہوتا ہے کہ وہ نظم معریٰ کو اُردو شاعری کے لئے واقعی مفید سمجھتے تھے اسی لئے خلوص نیت سے اسکی ترویج کے خواہش مند تھے۔

اس سلسلے میں وہ جذباتیت کا شکار نہ تھے۔ شررؔ کی نظم معریٰ کی تحریک ایک خالص ادبی تحریک تھی اور یہ فرد واحد کی پُر خلوص خواہشات کے نتیجے کے طور پر وجود میں آئی تھی۔

Scanned with CamScanner

عبدالحلیم شرر نظم معریٰ کا تعارف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''سردست ہم نظم کی ایک نئی قسم کی طرف توجہ کرتے ہیں جو انگریزی میں تو بکثرت موجود ہے، مگر اُردو میں بالکل نئی اور عجیب چیز نظر آئے گی۔ مشرقی شاعری میں ردیف وقافیہ بہت ضروری اور لازمی خیال کئے گئے ہیں۔ مگر انگریزی میں ایک جداگانہ وضع کی نظم ایجاد کی گئی ہے۔ جیسے ''بلیک ورس'' کہتے ہیں۔ اُردو میں اس کا نام اگر ''نظم غیر مقفیٰ'' رکھا جائے تو شاید زیادہ مناسب ہوگا۔ ؎

ملاحظہ ہو قدیم وجدید نظم معریٰ کی چند مثالیں۔

مولوی اسمٰعیل میرٹھی کی ایک نظم معریٰ 'چڑیا کے بچے'' کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:۔

دو تین چھوٹے بچے، چڑیا کے گھونسلے میں
چپ چاپ لگ رہے ہیں، سینہ سے اپنی ماں کے
چڑیا نے ممتا سے، پھیلا کے دونوں بازو
اپنے پروں کے اندر بچوں کو ڈھک لیا ہے
اس طرح روزمرہ کرتی ہے ماں حفاظت
سردی سے اور ہوا سے رکھتی ہے گرم ان کو

بیسویں صدی میں ہر بڑے شاعر نے نظم معریٰ میں شاعری کی ہے۔ ترقی پسند تحریک نے اسکو بڑھاوا دینے کی انتھک کوشش کی۔ فیض احمد فیض کی ایک معریٰ نظم مثال کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔

Scanned with CamScanner

پھر کوئی آیا دل زار نہیں کوئی نہیں

راہرو ہوگا، کہیں اور چلا جائے گا

ڈھل چکی رات بکھرنے لگا تاروں کا غبار

لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ

سو گئی راستہ تک تک کے ہر ایک راہگزر

اب یہاں کوئی نہیں کوئی نہیں آئے گا۔ (تنہائی)

اب مخمور جالندھری کی ایک معریٰ نظم کا ایک بند ملاحظہ کریں جس کا عنوان ہے

''دل کی باتیں''

مرے دل کی باتیں

جو ہو جائیں افشا

تو ہو جاؤں گا رسوا

میں کیا سوچتا ہوں

اگر جان لو تم

ابھی منہ چھپا لو

نگاہیں جھکا لو

میں کیا چاہتا ہوں

تمہیں جو بتا دوں

ابھی کسمساؤ

Scanned with CamScanner

یہ کرسی سے اٹھ کر

ابھی بھاگ جاؤ

مندرجہ بالا نظموں کے تمام اشعار میں ایک شعر کا قافیہ دوسرے سے مختلف ہے۔ان میں کسی قافیے کی پابندی نہیں کی گئی۔

یک مصرعی نظم:۔ ایک ایسی نظم جس کا صرف ایک مصرعہ ہو اور اسی ایک مصرعے میں نظم کی پوری فضا کی تعمیر ہوتی ہے، اسی لئے اسے سیدھے سادے انداز میں ''یک مصرعی نظم'' کا نام دیا گیا ہے۔ایسی صورت میں اسکی ہیئت کا کوئی مخصوص ماڈل، بحر یا آہنگ نہیں ہے۔اس میں بس ایک مصرعہ ہی سب کچھ ہے۔جس کے اردوگرد پوری نظم گردش کرتی ہے۔ایک مصرعے میں نظم کہنا واقعی شاعر کے لئے ایک بڑا چیلنج ہے کیونکہ ایک مصرعے میں اس کو اپنی خاص فکر کا اظہار کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ فکر کے بغیر اس میدان میں قدم رکھنا یا قدم بڑھانا ممکن نہیں۔ یک مصرعی نظموں کو دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ موضوع کے تعلق سے کوئی خاص بات ادا کی جاتی ہے۔چونکہ نظم کی بافت، اس کا آرٹ اور اس کا کرافٹ ایک مصرعے میں ہی ہوگا لہٰذا شاعر مشاق، مفکر طباع اور صاحب ادراک ہونا چاہئے۔لفظوں کے ہیر پھیر سے مصرعے کو چست بنا کر اس کے متن کو آفاقی بنا دیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ یک مصرعی نظموں میں لفظوں کی نشست و برخاست کی خاصی اہمیت ہے۔رؤف خیر کی چند یک مصرعی نظمیں ملاحظہ کریں۔

Scanned with CamScanner